جناب وحید الدین خان صاحب

قانون سازی کا حق کِسے حاصل ہے؟

ہمارے تمدّنی اور معاشرتی مسائل کا قانون کیا ہو؟

قسط ۲

۴۔ قانون کبھی خود مکتفی نہیں ہو سکتا۔ مختلف وجوہ کی بنا پر اس کے ساتھ اخلاق کا ہم رشتہ ہونا ضروری ہے۔

(الف) مثلاً ایک مقدمہ قانون کے سامنے آتا ہے۔ اس وقت اگر خالص سچائی منظرِ عام پر نہ آئے تو قانون کا عادلانہ مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر فریقین اور گواہ عدالتوں میں سچ بولنے سے گریز کریں تو انصاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اس کے قیام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہونگی گویا قانون کے ساتھ کسی ایسے ماورائے قانون تصوّر کی بھی لازمی ضرورت ہے جو لوگوں کے لیے سچ بولنے کا محرک بن سکے۔ سچائی کے لازمۂ قانون و انصاف ہونے کا اعتراف دنیا بھر کی عدالتیں اسطرح کرتی ہیں کہ وہ ہر گواہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سچ بولنے کی قسم کھائے اور حلف اٹھا کر اپنا بیان دے۔ قانون کے لئے مذہبی اعتقادات کی اہمیّت کی یہ ایک نہایت واضح مثال ہے۔ مگر جدید سوسائٹی میں مذہب کی حقیقی اہمیّت چونکہ ہر پہلو سے ختم کر دی گئی ہے اس لئے عدالتوں کی مذہبی قسمیں اب صرف ایک روایت بلکہ مسخرہ پن بن کر رہ گئی ہے۔ اور ان کا کوئی واقعی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ قانون جس فعل کو جرم قرار دے کہ اس پر سزا دینا چاہتا ہے اس کے بارے میں خود سماج کے اندر بھی یہ احساس موجود ہو کہ یہ فعل جرم ہے۔ محض قانونی کوڈ میں چھپے ہوئے الفاظ کی بنا پر وہ فضا پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی جرم پر سزا کے اطلاق کے لئے درکار ہے۔

ایک شخص جب جرم کرے تو اس کے اندر مجرمانہ احساس (GUILTY MIND) کا پایا جانا ضروری ہے وہ خود اپنے آپ کو مجرم سمجھے اور سارا سماج اس کو مجرم کی نظر سے دیکھے، پولیس پورے اعتماد کے ساتھ اس پر دست اندازی کرے، عدالت میں بیٹھنے والا جج پوری آمادگی قلب کے ساتھ اس پر سزا کا حکم جاری کرے۔ دوسرے لفظوں میں ایک فعل کے "جرم" ہونے کے لئے اس کا "گناہ" ہونا ضروری ہے، قانون کے تاریخی مکتب فکر کا یہ کہنا کہ —— "قانون سازی جبھی کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس نسل کے داخلی اعتقادات (INTERNAL CONVICTIONS) کے مطابق ہو جس کے لئے قانون وضع کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس سے غیر متعلق ہو تو ایسے قانون کا ناکام ہونا یقینی ہے"[1] اپنے مخصوص مکتب فکر کے استدلال کے طور پر تو صحیح نہیں ہے۔ مگر اس میں ایک خارجی صداقت بیشک موجود ہے۔

(ج) ان سب چیزوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کے عمل در آمد سے پہلے سماج کے اندر ایسے محرکات موجود ہوں جو لوگوں کو جرم کرنے سے روکتے ہوں۔ صرف پولیس اور عدالت کا خوف اس کے لئے کافی محرک نہیں بن سکتا، کیونکہ پولیس اور عدالت کے اندیشہ سے تو رشوت، سفارش، غلط وکالت اور جھوٹی گواہیاں بھی بچا سکتی ہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو استعمال کر کے کوئی شخص اپنے آپ کو جرم کے قانونی انجام سے بچا لے جائے تو پھر اسے مزید کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

خدائی قانون میں ان تمام چیزوں کا جواب موجود ہے۔ خدائی قانون کے ساتھ مذہب و آخرت کا عقیدہ وہ ماورائے قانون فضا پیدا کرتا ہے جو لوگوں کو سچائی پر ابھارے، وہ اس درجہ موثر ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی مفاد کے تحت جھوٹا حلف اٹھائے تو اپنے دل کو ملامت سے نہیں بچا سکتا۔ ویسٹرن سرکٹ کی عدالت میں ایک پتھر نصب ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ کہ ایک گواہ نے قسم کے عام کلمات دہرانے کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ "اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا میری جان یہیں قبض کر لے" چنانچہ وہ شخص وہیں دھڑام سے گرا اور گر کر اس کا خاتمہ ہو گیا[2]

اس طرح کے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں۔ اسی طرح جرم کے فعل شنیع ہونے کا عام احساس بھی محض اسمبلی کے پاس کردہ ایکٹوں کے ذریعہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بھی واحد بنیاد خدا

---

[1] A TEXT BOOK OF JURISPRUDENCE, P. 15

[2] THE CHANGING LAW, P. 103

اور آخرت کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح جرم نہ کرنے کا محرک بھی صرف مذہب ہی پیدا کرسکتا ہے۔ کیونکہ مذہب صرف قانون نہیں دیتا بلکہ اسی کے ساتھ یہ تصور بھی لاتا ہے کہ جس نے یہ قانون عائد کیا ہے وہ تمہاری پوری زندگی کو دیکھ رہا ہے، تمہاری نیت، تمہارا قول، تمہاری تمام حرکتیں اس کے ریکارڈ میں مکمل طور پر ضبط ہو چکی ہیں۔ مرنے کے بعد تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ اور تمہارے لئے ممکن نہ ہوگا کہ تم اپنے جرائم پر پردہ ڈال سکو۔ آج اگر سزا سے بچ گئے تو وہاں کی سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ بلکہ دنیا میں اپنے جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اگر تم نے غلط کوششیں کیں تو آخرت کی عدالت میں تمہارے اوپر دہرا مقدمہ چلے گا۔ اور وہاں ایک ایسی سزا ملے گی جو دنیا کی سزا کے مقابلے میں کروڑوں گنا سخت ہے۔

۵۔ انگلستان کی تاریخ کا ایک واقعہ ہے۔ جیمز اول (JAMES I) نے اعلان کیا کہ وہ مطلق العنان بادشاہ کی طرح حکومت کرسکتا ہے۔ اور عدالتوں میں استغاثہ اور مرافعہ کے بغیر معاملات میں آخری فیصلے دے سکتا ہے۔ یہ مشہور چیف جسٹس لارڈ کوک (COKE) کا زمانہ تھا۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھے اور اپنے دن کا ایک چوتھائی حصہ عبادت میں بسر کیا کرتے تھے، انہوں نے بادشاہ سے کہا ’’تمہیں فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، تمام مقدمات عدالت میں جانے چاہئیں‘‘ بادشاہ نے کہا ’’میرا خیال ہے اور یہی میں نے سنا بھی ہے کہ تمہارے قوانین کی بنیاد عقل پر رکھی گئی ہے۔ تو کیا مجھ میں ججوں سے کم تر عقل ہے‘‘ چیف جسٹس نے جواب دیا: تم بلاشبہ بہت علم و صلاحیت کے مالک ہو، لیکن قانون کے لئے بڑے تجربے اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہ تو ایک سنہری پیمانہ ہے جس سے رعایا کے حقوق کی پیمائش کی جاتی ہے۔ اور خود جناب والا کی حفاظت کی جاتی ہے۔‘‘ بادشاہ نے انتہائی غصہ ہو کر کہا کیا میں بھی قانون کے ماتحت ہوں، ایسا کہنا تو غداری ہے۔ لارڈ کوک نے بریکٹن (BRACTON) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

’’بادشاہ کسی آدمی کا ماتحت نہیں، مگر وہ خدا اور قانون کا ماتحت ہے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم خدا کو قانون سے الگ کر دیں تو ہمارے پاس یہ کہنے کی کوئی معقول بنیاد نہیں رہتی کہ ——— ’’بادشاہ قانون کے ماتحت ہے‘‘ کیونکہ جن افراد نے خود اپنی رایوں سے قانون بنایا ہو، جن کے اذن (SANCTION) سے وہ قانونی طور پر جاری ہوا ہو، جو اس کو باقی رکھنے یا بدلنے کا حق رکھتے ہوں۔ آخر کس بنا پر وہ اس کے ماتحت ہو جائیں گے۔ جب انسان ہی قانون ساز ہو تو بالکل فطری طور پر وہ خدا اور قانون دونوں کا جامع ہو جاتا ہے۔ وہ خود ہی خدا اور خود ہی قانون

ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں قانون سازوں کو قانون کے دائرے میں لانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ تمام جمہوریتوں میں شہری مساوات کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود قانونی طور پر سب یکساں نہیں ہیں۔ اگر آپ ہندوستان کے صدر، گورنر، وزیر یا کسی افسر اعلیٰ پر مقدمہ چلانا چاہیں تو آپ اسی طرح اس کے خلاف مقدمہ نہیں چلا سکتے۔ جیسے ایک عام شہری کے خلاف آپ کر لیتے ہیں۔ بلکہ ایسے کسی مقدمے کو عدالت میں لے جانے سے پہلے حکومت سے اسکی اجازت لینی ہو گی۔ دستور ہند کی دفعہ ۳۶۱ کے تحت صدر جمہوریہ اور ریاستوں کے گورنر کے لئے یہ تحفظ دیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر کسی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کے خلاف کسی دعوے کی سماعت کر سکے۔ اسی طرح وزراء کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کے لئے حکومت سے پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۹۷ کی رو سے کوئی جج مجسٹریٹ یا کوئی سرکاری ملازم جو مرکزی یا صوبائی حکومت کی اجازت کے بغیر اپنے عہدہ سے معزول نہ کیا جا سکتا ہو، اگر اس کے خلاف کسی بدعنوانی کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے تو اسکی سماعت کا حق کسی عدالت کو اس وقت تک نہیں ہے جب تک مرکزی یا ریاستی حکومت سے اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔ جس سے کہ اس شخص کی ملازمت متعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر آپ کسی اعلیٰ سیاسی یا انتظامی شخصیت پر مقدمہ چلانا چاہیں تو خود انہیں سے پوچھنا ہو گا کہ آپ کے اوپر مقدمہ چلایا جائے یا نہیں۔

یہ ہندوستان کے قانونی نظام کا نقص نہیں ہے۔ بلکہ انسانی قانون کا نقص ہے اور یہ نقص ہر اس جگہ پایا جاتا ہے، جہاں انسانی قانون سازی کا اصول رائج ہے۔ صرف خدائی قانون میں یہ ممکن ہے کہ ہر شخص کی حیثیت قانون کی نظر میں بالکل یکساں ہو اور ایک حاکم پر اسی طرح عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکے، جس طرح محکوم پر چلایا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے نظام میں قانون ساز خدا ہوتا ہے۔ بقیہ تمام لوگ یکساں طور پر اس کے محکوم۔

۶۔ قانون کی آخری اور سب سے بڑی خصوصیت جس کو ہمارے ماہرین صدیوں سے تلاش کر رہے ہیں۔ اور اب تک وہ اسے حاصل نہ کر سکے وہ بھی صرف مذہبی قانون میں موجود ہے یعنی قانون کی منصفانہ بنیاد۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ منصفانہ قانون کی بنیاد کا حاصل نہ ہونا تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت ہے، نہ کہ اس بات کا ثبوت کہ انسان اسے حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ مگر

جب ہم دیکھتے ہیں کہ طبعی قوانین کی دریافت میں انسان نے بے حساب ترقی کی ہے، اور اس کے مقابلے میں تمدنی قوانین کی دریافت میں اس درجہ کی بلکہ اس سے زیادہ کوششوں کے باوجود ایک فیصدی بھی کامیابی نہیں ہوئی، تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ محض تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو چیز تلاش کی جارہی ہے اس کا پانا انسان کے بس ہی میں نہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا فوٹو ایک فرانسیسی سائینسدان نے ۱۸۲۶ء میں کھینچا۔ اس میں آٹھ گھنٹے کا وقت لگا۔ اور اس نے اپنے کمرے کے برآمدے کا فوٹو کھینچا تھا۔ لیکن تصویر کشی کی موجودہ رفتار کا حال یہ ہے کہ فلم کا ریکارڈنگ کیمرہ ایک سیکنڈ میں دو ہزار سے بھی زیادہ تصویریں کھینچ لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے جتنی دیر میں صرف ایک تصویر کھینچی جاسکتی تھی، اتنی دیر میں آج چھ کروڑ تصویریں اتاری جاسکتی ہیں۔ گویا رفتار کے معاملے میں ۱۴۰ سال میں انسان نے چھ کروڑ گنا ترقی کی ہے۔ امریکہ میں بیسویں صدی کے آغاز میں سارے ملک میں صرف چار موٹر کاریں تھیں، اب تقریباً دس کروڑ کاریں وہاں کی سڑکوں پر دوڑتی ہیں، انسان کی باریک بینی کا یہ حال ہے کہ آج وہ ...... ۱/۱۰ سیکنڈ کو بھی ہزاروں حصے تک تقسیم کرسکتا ہے، یعنی ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کا ہزارواں حصہ۔ چنانچہ زمین کی گردش میں فرق پڑنے سے اگر ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کے بقدر دن چھوٹا یا بڑا ہو تو رصد گاہوں میں اسے معلوم کرلیا جاتا ہے۔ آج ایسے حساس آلے دریافت ہوچکے ہیں کہ اگر تیس جلدوں کی انسائیکلو پیڈیا میں کسی ایک صفحہ پر دو الفاظ بڑھائے جائیں تو اسکی سیاہی سے وزن میں جو فرق پڑے گا، اس کو وہ فوراً بتادیں گے ——— یہ طبعی قوانین کی دریافت میں انسان کی ترقی کا حال ہے۔ مگر جہاں تک تمدنی قوانین کا معاملہ ہے، وہ اس میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ (باقی آئندہ)

- قدرت انتقام رکھتے ہوئے غصے کو پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔ (امام جعفر صادقؒ)
- کھلی ہوئی عداوت منافقانہ موافقت سے بہتر ہے۔ "
- مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔ "
- غذا سے جسم کو اور قناعت سے روح کو راحت پہنچتی ہے۔ "
- گناہ ناسور ہے۔ اگر ترک نہ کرو تو برابر بڑھتا رہے گا۔ "